

شروع گراما کی ایک جس بھری دوپہر میں تبسم نے  
 امر کی جاں فزا آواز اپنے کانوں سے دلنیز پڑی تھی۔  
 اس کے آس پاس جیسے ٹھنڈی ہوا چل پڑی۔ لیوں پہ  
 ایسا جاندار تبسم ابھرا کہ چوکھٹ سے نکلتی اس کی بھادرج ٹھٹک  
 کر رہی اور دروازے تک جاتے، جاتے شہر سے منگوائی گئی  
 خاص اپنے نام کے ڈیزائن والی چوڑیوں کی ساری خوشی  
 نیست و نابود ہو گئی۔ جیسے لانے والے نے اس کے ہاتھوں  
 میں دینے کے بجائے زمین پر دے ماری ہوں اور ٹوٹے

## عورت بہت تہمت

ایک عام تاثر یہی ہے کہ عورت ایک کمزور اور کم تر ہستی ہے۔۔۔ مگر یہی  
 کمزور اور کم تر ہستی صنف مخالف پر کس، کس طرح اثر انداز ہوتی اور وقت پڑنے  
 پر چٹان جیسی مضبوطی بھی دکھاتی ہے۔ حروف تہجی کے اعتبار سے شروع ہونے  
 والے اس نئے سلسلے عورت کہانی میں ہماری معروف قلم کار فرحین اظفر نے  
 یہی بتانے کی کوشش کی ہے۔

جداگانہ موضوعات لیے کہانیوں کا نیا سلسلہ آپ جیسے باذوق قارئین کی نذر



## عورت کیسائی

بھراب اس معنوی سنگار کا اہتمام چھتی.....  
بھابی فردوس کی باتیں پھر سے یادداشت کی پوٹی  
سے ایک ایک کر باہر آنے لگیں۔  
وہ نکلتی کی ان دیکھی ڈور سے بندھی بے ارادہ بھابی  
فردوس تک آ کر رک گئی۔ وہ آٹھنے کے سامنے بیٹھی، لابی  
زلفوں میں بل دے رہی تھی۔ وہ نکلتی ہی دیر نظر جمے اسے  
دیکھتی رہی۔

اس کا بھابی، فردوس کا خاندان دل و جان سے اس کی

**قارئین متوجہ ہوں**

**نہیں ملتا**

کچھ عرصے سے بعض مقامات سے یہ شکایات مل رہی ہیں  
کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پرچا نہیں ملتا۔  
انجینئرز کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش  
ہے کہ پرچا نہ ملنے کی صورت میں ادارے کو خط یا فون  
کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔

☆ ایک اسٹال کا نام جہاں پر چاندنیاب نہ ہو۔  
☆ شہر اور علاقے کا نام۔  
☆ ممکن ہو تو بک اسٹال کا PTCL یا موبائل نمبر۔

**رابطہ: بڑا پیدھو، دہلی**

**شمار عباس 0301-2454188**

**جاسوس ڈائجسٹ پبلیکیشنز**

**سپنس، جاسوسی، پاکیزہ، سرگزشت**

C-63 11 سینٹرل ڈسٹریکشن، پوسٹ آفس، ٹیلی فون ڈیپارٹمنٹ

مندرجہ ذیل ٹیلی فون نمبروں پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں

35802552-35386783-35804200

ای میل: jdp@group@hotmail.com

ماہنامہ پاکیزہ۔ اپریل 2018ء 201

کا غلبت میں دیا گیا پیکٹ اٹھا کر دھپ، دھپ کرتی  
سیڑھیاں اتر گئی۔  
ہاتھ پیروں کی لرزش نے اسے شدید گرمی میں بھی  
جادو میں مگھنے پہ مجبور کر دیا۔ کانوں کے پیچھے سے جو تپش  
نکل رہی تھی وہ اس کے علاوہ تھی۔  
اسے تو اس کے لائے ہوئے تھے کو نظر بھر کے دیکھنے  
تک سے حیا آگئی تھی۔

☆☆☆

سیاہ رنگ کے چوٹے سے ڈبے میں سب کچھ تھا۔  
آنکھوں کو دو دھاریں نکول رہا بنانے والا کامل، رخساروں کی  
لالی، لبوں کا گلاب اور ایرانی قائلین کے جیسی دبیز تہ کی طرح  
نرم ملائم برش..... جسے چہرے پر پھیرتے ہی ایک پھریری  
کی رنگ و بون میں دوڑ جاتی تھی۔  
مگر..... وہ اتنا پیارا تھنہ پا کر نہال ہونے کے بجائے  
گھٹے دن کی ایک کسلی یاد کال کر بیٹھ گئی۔ جب بھابی نے  
ہر کارچ کی چوڑیاں لاڈ سے دیکھتے ہوئے اصرار کے دروازے  
سے نکل کر جانے کی اپنی طرف سے بڑی شوکت، بھابی  
توجہ بہش کی تھی۔

”سنابہ چاہے کی لڑکیاں جہاں وہ رکھا ہوا ہے، بڑی  
فیضی اور ماڈرن ہیں۔“  
اس کا ڈوٹی تھما تا ہاتھ یک دم جم گیا تھا۔

”مجھے مہرین خالد نے بتایا تھا ایک دن..... بڑی لکھی  
بھی ہیں..... اور اس کی لڑکیاں کس کو اچھی نہیں لگتیں۔“

اسے ادھم کی بھول بھولی میں چھوڑ کر وہ خود تو  
کمرے میں چلی گئی تھی۔ پر اس وقت سے رات تک تبسم  
ایک خلا میں معلق رہی تھی۔ رات میں اس کے پیر جب ہی  
دھرتی کو چھو پائے تھے جب اصرار نے اس سے کابل نہ  
لگنے والی بات کی تھی۔

وہ اب بھی اسے اتنے ہی غور سے دیکھتا تھا۔ تبھی تو  
اس نے تبسم کی سوتی آنکھیں دیکھ لی تھیں۔ وہ کہتا تھا تبسم اس  
کے دل کی کلین ہے، ملکہ ہے۔ اسے دیکھنے کے لیے اسے  
روشنی کی نہیں اپنے من کی آنکھوں کی ضرورت ہوتی ہے۔  
جن کے آئینے میں اس کا عکس اسے سفید مرمر پر کھدے سیاہ  
فلکوں کی طرح شفاف نظر آتا ہے۔

اس کا انداز بڑا دل جلاتا تھا۔ تبسم کے پیٹ میں زور کی  
ہنسی کا گولا اٹھا۔ اس نے پوری جان لگا کے قابو کیا۔  
”اچھا سن..... اگلے مہینے پکی ہو جائے گی  
نو کری..... بول..... اماں کو بھیج دوں!“  
اس کے لہجے میں دونوں کے پیار سے کی ترپ تھی اور  
سوال میں اندیشوں کے ناگ پھنکار رہے تھے۔  
”ابھی نہیں۔“

ناگ نے اسے ڈنک مارا۔  
”مجھے پتا تھا تو منع ہی کرے گی.....“ اس نے ضدی  
بچے کی طرح پیر کو دھپ سے زمین پر مارا۔  
”بات تو سن..... اسی مہینے کی بات ہے ناں۔ پکی ہو  
لینے دے۔ ورنہ تو میری بھابی کو بھی جانتا ہے اور اپنی اماں کو  
بھی۔ کئی نوکری کا بول کے بھابی نے انکار کر دیا ناں ایک  
بار تو، تیری اماں دو جی واری نہیں آنے والی۔“

اس نے تریاق پانا شروع کیا۔ ڈسے ہوئے کے زخم  
میں تھوڑا آرام آیا۔  
”تب تک میں کیا کروں۔“ اس کے انداز کی۔  
پلے تانی بڑی بے باک تھی۔ اس نے تبسم کو کشاںوں سے جکڑ کر  
مجھجھوڑا والا۔

وہ سن ہی ہو کر رہ گئی۔ وہ اس کو اتنے قریب کر بیٹھا تھا  
کہ اس کے چہرے اور اصرار کے سینے کے بیچ ذرا سا ہی فاصلہ  
باقی تھا۔ اس کا وجود ایک بے خود کر دینے والی خوشبو سے  
مہک رہا تھا۔

قریب تھا کہ وہ اس خوشبو کے سمندر میں ڈوب ہی  
جاتی۔ اس کے من میں دھڑکتا سرمدھی اسے ایسی قربت بخشنے  
ہی والا تھا کہ دو انگاروں جیسی آنکھیں چمکیں۔  
تبسم کے منہ سے چیخ نکلتے، نکلتے رہ گئی۔ اور منڈیر  
سے جھمکتی سیاہ بلی سایوں میں جان پڑتی دیکھ کے دوسری  
طرف کود گئی۔

”چل جہت..... ہاگل ہو گیا کیا۔“ اس نے رخساروں  
کے قدح حادی سائے پہ سیاہ چادری بکھل اوڑھ لی۔  
اب اس سے نظریں ملائے کا یار نہیں تھا۔ اور وہ تھا  
کہ اس کے دیکھتے عارضوں کی رنگت کو دل میں جذب کر  
کے لہور تک بنانا چاہتا تھا پر اس کے لاکھ روکنے پر بھی وہ اس

بکھرے کا بچہ پر اس کا پیر پڑ گیا ہو۔  
”بھابی آپ کی چوڑیاں.....“ اصرار نے اسے دیکھ کر  
جلدی سے وہیں بکھڑائیں اور اوپری کے پرتو لے۔  
”کیا بات ہے بڑی جلدی میں ہوا اندر نہیں آؤ گے۔“  
وہ چوکھٹ میں پھیل کر کھڑی اس کا راستہ روکے  
تھی۔ جانتی تھی اندر آنے کے لیے تو وہ یہاں باہر اور اس  
کی ہوتی سوتی وہاں اندر پوری جان سے بے قرار ہیں۔ پر  
یہی بے تابی ہی تو تھی جو اسے ایسے لکا چھپی پھانسی تھی۔  
”آں..... نہیں..... پھر تھی۔“

اس نے بھادج کو سر تاپا دیکھا۔ جسے اپنے اور اس  
کے رشتے کی نزاکت اور تھاقصوں کا یا تو احساس نہیں تھا یا پھر  
بھر پور طریقے سے تھا۔  
چہرے پر بڑی جھنجھنگ قسم کی مسکراہٹ لیے وہ اسے  
ہی مگھور رہی تھی۔

”خیر تمہاری مرضی..... خالد کو میرا سلام کہہ  
دینا۔“ دروازہ دھڑ سے مار کر واپس پلٹنے اس کے حلق سے  
قلقلہ سی ہی نکل گئی اور ہونٹوں سے ٹنگناہٹ.....  
”تھاڑے پر ہوا دال کے یاروے۔“  
تبسم نے انہیں اکیلے آنے دیکھا تو مسکراتے لبوں  
پہنچا یاں ہی جم گئیں۔

☆☆☆

پورن نامی گورڈرے کتنی راتیں اتر گئی تھیں۔ اب  
بلوریں ٹھیکرے کی طرح خم کھائے چاند کی روشنی بس اتنی تھی  
کہ، او نچا لہا و جود ایک سائے جیسا دکھتا تھا۔  
”تو نے کابل تک نہیں لگایا۔“ اس نے اس  
اندھیری روشنی میں بھی تاڑ لیا۔

چھپت کی منڈیر سے ایک لگائے سایوں کے حلق  
سے نکلتی آواز سرگوشیوں کو مار رہی تھی۔  
”کیا کرتی..... دن کی روشنی میں تو تم نے اندر آنا  
بھی گوارا نہیں کیا۔“

نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ دل کی گہرائیوں سے نکلا تھا۔  
”کیا کرتا آکر..... تیری وہ پھل پیری بھابی  
فردوس.....“ اس نے چپا، چپا کر نام لیا۔ ”کسی چوکیداری طرح  
ٹیٹھی رہتی۔ نہ تجھے بلانی اور بات کرتا تو دور کی بات.....“

ماہنامہ پاکیزہ۔ اپریل 2018ء 200



برسوں سے میرے خاندان میں جو چھپا تھا وہ شخص اچانک سر راہ مل گیا آنکھوں نے دل سے، دل نے آنکھوں سے کچھ کہا جا، جا کر اسے منالے ورنہ وہ پھر گیا لیکن یوں جم گئے تھے میرے پاؤں زمیں سے میرا وجود جیسے مٹی سے سل گیا اک سمت مڑ گیا وہ مجھے دیکھتا ہوا اک انہنی اک غیر پہ کیوں میرا دل گیا وہ انہنی نا آشنا کب میرا اپنا تھا بس یونہی ایک شخص سر راہ مل گیا

کلام: ہاجی، اسلام آباد

طرح دیوار کے ساتھ، ساتھ چلتی دور ہوتی چلی گئی۔

☆☆☆☆☆ اس دن کی رات بڑی ہی تاریک تھی۔ پولیس موپائل بٹھا ہوا تو بہت احتیاط اور حفاظت سے اس کے دروازے پر چھوڑنے آئی تھی پر حفاظت اور چیز ہوتی ہے صاحب، رازداری اور چیز.....

فردوس نے اپنے راز کی حفاظت کی تھی۔ اس سے کوئی وعدہ نہیں لیا تھا۔ وہ ازخود بری الذمہ تھی۔ عین حجاب کے وقت سلیم کی دکان پہ اس کی موجودگی نے الگ موہنی دے دی تھی کہ اس کے ہاتھوں پر تبسم کی چادر پر لگنے والے ڈامرا کا ایک چھینٹا تک موجود نہیں۔ رہ تھی بات رازداری کی تو وہ کس بھی کام سے۔ پولیس کی گاڑی سے اترتی تبسم کو دیکھ کر محلے کے گھروں سے جھانکتے بیسیوں سروں کے پچھلوں کو بھی یاد نہ رہا.....

فردوس نے تو بھی کسی کوکان دکان خبر نہ دی تھی کہ وہ اس راستے کی باقی راہی ہے۔ پر جب کسی اور کو راستہ دکھایا تو دکھاتے ساتھ ہی انھیں پھوڑ ڈالیں، عقل کو خود تبسم کی محبت کے ذرا سے شے نے لات باردی اور اب جبکہ وہ گوگوں کی طرح سلیم سے لاتیں کے اور گھونے کھا کے ایک کونے میں پڑی تھی تو عقل اس کے پہلو سے گئی اور گھونے تھی اور محبت تجھ دار پر چڑھی سولی کی راہ تک رہی تھی۔

آگ، آگ، پیپ زدہ پھوڑا تھا۔ روم، روم ہے ماہنامہ پاکیزہ۔ اپریل 2018ء 203

معصوم بند کے کردار میں اتارنے، اسے وہاں چھوڑ کر پیچھے سے اس کے بھائی کو بلانے گئی تھی۔ فردوس صرف نام کی فردوس تھی اور اس نے تبسم کو بھی بس نام کی حد تک تبسم کر کے اس کی زندگی کو جہنم بنانے کی قسم اٹھائی تھی۔

آج اور ابھی سے نہیں۔ اسی دن سے جب سلیم نے پہلی بار فردوس کو یا تبسم کچھ کے تبسم کی بنائی ہوئی باسی روٹی کا پہلا لقمہ منٹیں ڈالا تھا۔

تبسم بھانسی واردات کے فردوس کے کنہرے میں بھائی کے ساتھ ہی مجرم قرار پائی تھی اور سزا کی مقدار بھی۔ اس کے سینے میں تلے بھرا بھرا روز اور بھی دہک گئے تھے جب اسے احمد اور تبسم کے درمیان کسی گرامر کی کاراک ہوا تھا۔

کچی گولیوں کے کھلاڑی کی طرح اس نے مگر، مگر جا کر ان کے معاشقے نہیں گائے تھے۔ اس میں خود اس کی بھی بدنامی تھی۔ وہ تو خنڈا کر کے پورے طریقے سلیقے سے کھانے کی عادی تھی۔ چمچی اور کانٹے کے ساتھ۔ اچار، پختی رائے سلاو سے مزین کھانا..... جو چند منٹ کی دوری پر اس کے معدے میں اترنے کو بے تاب تھا۔

اس کی قسمت کے موقع چل کے خود اس تک آیا لیکن..... "استاد دوکان پہنچیں۔" آج کے دن کی سب سے منہوں خبر کے سائے اس کے منہ پر بھی خوب کھیر گئے۔ "منہوں....." اس نے جانے قسمت کو گالی دی تھی کہ اپنے خاوند کو گردل سے نکلے بد دعا کی طرح اس میں بھی اقدام تھا کہ گلی کا آخری موڑ مڑے جہاں اسے اپنی ساری کوشش پہ پانی پھر تادیکہ کمر موت سی آ رہی تھی۔ ایک خطرے کو یا جان ڈال دی۔ بجلی جھری۔ اس کے ہیکر کے ملائم ایڑی سے لڑکھو پڑی کی کمال تک ایسا کرٹ دوڑا کہ روکھنے کھڑے ہو گئے۔

وہ پھرتی سے ایک کونے میں ڈبک گئی۔ سامنے کا منظر واضح مگر ہوش اڑا دینے والا تھا۔ اسے ہلکی ہلکی میں ایک گلو گدا دینے والا احساس ہوا۔ وہ شاید ڈھٹے کی مارنا چاہتی تھی مگر یہاں ایک لوہا رولی ہو گئی۔ بار بار کے سامنے، علاقہ پولیس کی گاڑی اور کسی خبری چیل کی دین کھڑی تھی۔

اس نے قنات چادر کی نکل ماری اور چھوٹ کر

ماری ہوئی خود پہر چڑھتے سورج کے ساتھ ترس کھانے والی بن چکی تھی۔

ایسے ہی گرم گرم ترین دن میں سلیم نے..... بے اولاد کی کاڈتے دار صرف اور صرف اپنی بیوی کو بھرا کر اس کی نسوانی کاملیت پہ بڑا زور کا طمانچہ رسید کیا تھا۔ کچھ دن گئے جب یہ حقیقت نکلی کہ فردوس تو صحت مند ہے۔ بلکہ بھرپور بھی..... تب سے اب تک اس نے صرف سلیم کو نچا دکھانے کی خاطر خدا کی رحمت پر اپنی کھکھ کے دروازے بند کر رکھے تھے۔ یہ پارلر کی اصل کام کے بجائے ایسے ہی گھناؤنے وحشوں میں ملوث تھا۔ جس کے بارے میں شہری آبادی سے بڑے اس چھوٹے سے قصبے کے قہوڑے سے مرد اور اس سے بھی قہوڑی عورتیں جانتی تھیں کہ حسن کی نگہداشت کے ٹوکوں، میک اپ کریوں، فیشن مساج کے ساتھ، ساتھ یہاں اور بھی بہت سی مطلب کی چیزیں مل جایا کرتی تھیں۔ فردوس بھی ایسی ہی قدرت کے کاموں کو من مرضی کی سمت موڑنے اور پھر نقصان اٹھانے والی مستقل گاموں میں شامل تھی۔

"تم یہاں بیٹھو، میں ذرا بازار سے کچھ ضروری سامان لے کر آتی ہوں۔ گھبراہٹ میں یہاں سب لڑکیاں ہی ہوتی ہیں۔ سبھی جان پہچان کی ہیں۔"

تبسم تذبذب میں تھی اور فردوس جلدی میں..... اسے کچھ کہنے کا موقع نہ ملا۔ اپنے تئیں اسے تسلی دے کر وہ سلیم کو بلانے نکلی تھی۔

کنواری لڑکی کا ایسی جگہ پہ کیا کام۔ جس کا نام مشہور اور ارادے مشکوک تھے۔

سرسے پیر تک سیاہ برقع میں ملف تبسم کے سان و گمان میں بھی آنے والی ساتوں کا گزرتا تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ وہ تو اپنے محبوب کی خاطر اچھا دیکھنے کی معصوم سی خواہش لے کر بھارج کے ساتھ اس دہلیز تک چلا آئی تھی۔

چار دیواری میں بند رہنے والی جکی مہیلائیں کیا جانیں کہ چار دیواری کے پار کی دنیا کیسی رنگ برنگی ہے۔

ان دیواریوں کے پار گیارے بھی ہیں جو باغوں میں نکلے ہیں اور گڑھے میں جو باتال میں جا اترتے ہیں۔ گلاب بھی ہیں اور گند کی بھی..... مینے بھی ہیں اور کبوتری.....

صرف فردوس یہ جانتی تھی کہ وہ اپنی ذلت کا بیول اپنی

ہر، ہر ادھر پر مٹنے کو تیار رہتا۔ فردوس کے پاس ظاہری حسن کا خزانہ تھا بھی قارون جیسا۔ سلیم جیسا شوہر اس کے قابل نہیں تھا اگر صرف صورت کے تقابل کیا جاتا فردوس بھی کسی شہزادے کے لائق ہی تھی۔ سلیم کو بھی اس بات کا بخوبی احساس تھا، جیسی تو اس کے کلوں کے نیچے تھیلیاں بچھانے کو کھڑا رہتا تھا۔ اس کے تو دن رات فردوس کے بتانے سے ہی ڈھلے چڑھتے تھے۔ تو فردوس کو کیا آگ لگی تھی جو اپنے حسن کو دوا تھ کر کے مرے ہوئے پر روزورے لگاتی۔

اس کا شوہر تو اس کی مٹھی میں بند بیٹھے جیسا تھا۔ جس کی حالت یوں تھی گویا کسی بھی لمحے اس کے پر نوج لے گی۔ پھر کیوں..... کیوں لگتی تھی غاڑہ..... پہلے سے گلابی ہونٹوں پہ گلابی مل کے ان کو سردار سا بنا رہی تھی۔ اور سلیم کے سامنے جب بادام سی لمبی آنکھوں کو اٹھا کے جھکا کر تو نچلے لب کا ایک کونا موتی جیسے دانت میں دبائی تھی۔ اور سلیم اس کی اس ادا پر ہر، ہر جاتا۔

جب فردوس نے اپنے اتنے مرے دھرے شوہر کی لگا میں کہنے کے لیے کوئی کسر نہیں اٹھا رہی تھی تو پھر وہ خود تو عام سی شکل صورت کی تھی اور پھر اس کا اور احرار کا رشتہ بھی بہت کچا، صرف زبانی وعدوں کی اینٹوں سے بنا، پتا کسی معنی، نکاح کے گارے کے یونہی مٹا دیا جاتا تھا۔

چند لمحوں بعد ہی وہ فردوس کے سامنے تھی۔

"بھائی مجھے بھی..... مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلنا کسی دن....." لفظ اس کے گلے سے ایسے کرتے پڑتے

نکلے جیسے کسی نے اندر سے دھکا دے کے نکالا ہو۔

فردوس نے اس کی اجھڑی بات میں کسی خواہش کے اجھڑے پن کو بڑی فرصت سے جانچا۔

☆ ☆ ☆ وہ محلے سے دور کوئی پار تھا جہاں فردوس تحریقوں کے اور پھیر برج تعمیر کر کے ان پر قدم، قدم چلاتی اسے لے کر آئی تھی۔

فردوس ایک کھلی کھائی جہان مدیدہ عورت تھی۔ تبسم کی اپنی ذات پہ توجہ دینے کی آرزو جو رات و رات بانس کی طرح اس کے دل کی زمین سے نکل کر زبان تک آئی تھی تو بے سبب نہیں ہو سکتی تھی۔ اندر سے وہ بڑی احساسی کتری کی

ماہنامہ پاکیزہ۔ اپریل 2018ء 202

السلام علیکم

**FAMOUS URDU NOVELS, BOOKS BANK (ویب سائٹ) ہمیں اپنے بلاگز**

**PRIME URDU NOVELS, FREE URDU DIGEST, READING CORNER**

کے لئے ناول رائیٹرز کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری پوسٹ کروانا چاہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔  
آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل کریں یا ہمارے گروپ اور چیچ پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ یا واٹس ایپ پر بھی کانٹیکٹ کر سکتے ہیں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- [aatish2kx@gmail.com](mailto:aatish2kx@gmail.com)

Facebook ID :- [www.facebook.com/aatish2k11](https://www.facebook.com/aatish2k11)

Facebook Group :- **FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST**

**SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUSSION**



بدکارہ کا چہرہ نہ تھا۔ مگر یہ چہرہ پہچان میں بھی تو نہیں آ رہا تھا۔ گئے دن کی داستان اس کے جسم پر پڑے ایک، ایک زخم سے پھوٹ رہی تھی۔ اب اسے یقین نہ آتا تو جسم کا کیا قصور.....

اس نے کسی قیمتی خزانے کی طرح، اس منجھوٹا لکھواس عورت کو خود میں سولیا۔ چند لمحوں پہلے جب فردوس، مہرن خالہ کو پکارتی کرتی پڑی، تبسم کا داغ چل جانے کی خبر لائی تھی تو، وہی تھا جو اب اس سے اس کی وکالت میں الجھا بیٹھا تھا..... اور وہی تھا جس نے بھائی کو سامنے سے ہٹا کر سب سے پہلے دوڑ لگا دی تھی۔ وہی تھا جس نے سارے قہر کو کھانے جا کر کھانے سے کھٹک لایا تھا۔ وہی تھا جو اس پر گئی تہمت پر بند آنکھوں سے یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ وہی تھا، وہی تھا، وہی تو تھا.....

تبسم..... اس کی محبت بعد میں تھی۔ اس کے کردار کا فقر، اس کا مان پہلے تھی۔ اسی نے اسے خاموش محبت کی پاکیزگی کا صحیفہ سب سے پہلے بنایا تھا۔ اسی نے اسے محبت کے جلی تھانوں کی حد سے روشناس کرایا تھا۔ وہی تھی جو کبھی تھی محبت جسوں کا کھیل نہیں روح کا ورت ہے۔ وہی تھی جو اندھیری راتوں میں ملنے آتی تو سر سے پیرنگ خود کو ڈھانپ کے گز بھر کا فاصلہ رکھتی تھی۔ وہی تھی، وہی تھی، وہی تو تھی.....

اور اب..... اب وہی تبسم اس کے سینے سے لگی اس کی ہانپوں میں پڑی کسی مڑے کی طرح بے جان تھی، یہ کیسی بے بسی تھی۔ وہ اتنی لاچار کیسے ہوئی کہ آج اسے دور بٹنے کا خیال تک نہ آیا۔ آج اسے کسی بے شری کا احساس تک نہ تھا۔ وہ زمان و مکان، زندگی اور زندگی جینے کے سامان جیسے کسی بھی تکلف سے آزاد ہو چکی تھی۔

اس روز اسے بازوؤں میں بھر کر اسپتال کی طرف بھاگتے احمر کے انہی بازوؤں میں بے ہوش پڑی تبسم کو پتا نہ چلا کہ اس کے جسم سے زیادہ اس کے دل اور روح سے پیار کرنے والا، اس پر گئی تہمت کو ہمیشہ کے لیے دل کا داغ بنا کر سنگت چھوڑ دینے کے بجائے، اپنی محبت کے سینے کا تمغہ بنانے آن پہنچا تھا۔

وہاں اور وہ بھی فردوس کے ساتھ..... میں اسے کیا کہتی۔ میری محبت کی شفاف ندی میں وہم کا کوڑا لالہ ناگ شخص ہاتھ بھر کے فاصلے پر آ گیا تھا۔ میں اس کے زہر سے بچنا چاہتی تھی۔

محبت جب ماری ہے ہاں تو وہم اور خدشوں کی مار مارتی ہے اور چار چوٹ کی جسمانی مار اس کے آگے شرماتی ہے۔ وہ بھی ایسی ہی مار کا شکار ہو گئی تھی، اور اب نیل و نیل ہوئی پڑی تھی۔ وہم کے ناگ نے اس کی محبت کے شفاف پانی کو ڈھسا دیا تھا۔ اس کا جسم اور دل تو کیا روح تک کو زہر چڑھ گیا تھا۔

اس نے بدقت تمام ادھ مڑے جسم کو حرکت دی۔ اٹھ کر الماری میں سے احمر کی دی ہوئی میک اپ کٹ نکالی اور سرخی میں انگلیوں کی پوریں گھسا کر بے ترتیب منہ پر لٹکائی۔

☆☆☆

کسی نے اسے شانوں سے پکڑ کر زمین سے اٹھانے کی کوشش کی پھر اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی ہلک کر رہ گیا۔

دوسری طرف وہ اسے جن نظروں سے دیکھ رہی تھی، ایک تاثر میں ان نظروں کی وسعت سٹپاٹھ گئی۔ وہاں خوف تھا، سراسیمگی تھی، شرمندگی تھی، امید تھی۔ وہاں کامل کی بے سمت لکیریں تھیں۔ غارے کی لکڑی ہوئی تھیں تھیں۔ جابجا سرخ نمبر اور زرد دھبے تھے۔ اس کا معصوم چہرہ کتنے رنگوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ مگر ان میں کوئی توازن نہ تھا۔ توازن تو تصویر کے دلوں میں ہوتا ہے جنہیں مصور استعمال کرتا ہے۔ اس کا توازن صاف کرنے والے رویوں میں دیکھ کر بڑے سے بھی ہلک مڑتا تھا۔ کہاں رنگ تھا؟ کہاں نیل اندازہ لگانا تھا۔ کہاں خون تھا؟ کہاں سرخی؟ کوئی پتا نہیں سکتا تھا۔

کل سے آج تک کے یہ چوبیس گھنٹے تنوار کے آگے وہاں دریں کراہندے کے آ رہا ہو گئے۔ اسے موت کے سے پچھتاوے نے آن گھرا۔ اس یہاں تک آنے میں اتنی دیر کیوں کی۔ یہ چہرہ کی

ہیں آپ یہاں..... یا اگر کام نہیں کرتیں تو یہاں آئی کیوں نہیں۔ کس کام کے لیے، کیا کروانے.....؟ وہ کوئی لڑکی نہیں تھی، وہ کوئی خون آشام چڑیل تھی اس کے حواس کو اپنے جنتر منتر سے قابو کر کے، اب اس کی عصمت کا بے داغ چہرہ بچوں سے نوج لینے کو بلایا رہی تھی۔

”میں تو آج پہلی بار.....“ لفظ لڑکھائے اور ساتھ وہ خود بھی۔ ”پہلی بار..... پہلی بار آئی ہیں آپ، مجلس مان لیتے ہیں لیکن کیسی.....“

کانوں میں گونجتی سائیں، سائیں میں چت کر دینے والے حملہ آور پہلوان جیسے سوالات کی بوچھاڑ میں اس نے خود کو سر سے پیرنگ پکپکاتے محسوس کیا۔

”میں کیسی نہیں میری بھائی کسی کام سے.....“ اس کی بات سرکاری آل سے ٹوٹ، ٹوٹ کر آتی پانی کی دھار جیسی تھی۔

”آپ اپنی بھائی کے ساتھ تھیں مگر وہ تو کہیں نظر نہیں آ رہیں۔ کہاں ہیں بھائی.....؟ بھائی ان کی بھائی ہے کوئی یہاں..... سیکر وہاں لے جاؤ.....“

اس نے منہ پر چادر ڈال کر کس لا چاری سے خود کو چھپایا تھا۔ کاش اس کے رب کے علاوہ بھی کوئی اس کی مشکل جاننے والا ہوتا۔

”چلیں چھوڑیں بھائی کو وہ تو لگتا ہے فرار ہو گئیں۔ یہ بتائیں آپ کیوں آئی تھیں یہاں۔ کچھ سنا تھا آپ نے اس جگہ کے بارے میں پہلے سے..... مطلب یہ کوئی اتنا مشہور سیلون تو نہیں کہ آپ.....“

پھر وہ کیا بولی اور کیوں بولی اسے ایک لفظ بھی سنائی نہیں دیا۔

”بھائی تو لگتا ہے فرار ہو گئیں“ اور..... کیا کرنے آئی تھیں..... کے الفاظ زمین کی ساتویں تہ سے نکلے اور ساتویں آسمان تک میں جا کر پھوٹے ہو گئے۔

”کیوں گئی تھی میں وہاں، میں کیا بتاؤں میرے پاس تو کسی کو بتانے کے لیے کچھ نہیں کچھ بھی نہیں..... اپنا ہوا احمر نہیں آیا..... اگر وہ پوچھ لیتا تو..... کیوں گئی میں

اٹھنے والے درد نے بڑے، بڑے درووں کو بھلا دیا تھا۔ اس کے اندر سسکتے تک کی طاقت نہیں چکی تھی۔ بس دل اپنی جگہ تھا جو دھڑکتا تھا اور ہائی دیتا تھا۔ دہائی دے، دے کر دھڑکتا تھا اور کئے کا نام نہیں لیتا تھا۔

رات گزری، دن چڑھ آیا پر اس کی قسمت کی اماؤں سے ہر شے پہ سیاہی پھیر دی۔

”وہ نہیں آئے گا اب۔ مہرن خالہ نے قسم دی ہے۔ جس روز اس مرن جوگی کی منگوں شکل دیکھے گا اس کے بعد میرا امر اند دیکھے گا بس.....“

تبسم گھڑی کی بنی سٹی رہی۔ دن ڈھلے تک عورتیں فردوس کے پاس یوں آتی رہیں جیسے مرگ کی تعزیت کا ثواب حاصل کرنے کا آج آخری دن ہے۔

اس پر فردوس کے اچلے جسم کے اندر مڑتے دل کی حقیقت کھلی تو مردار کی سی بو آئی۔ زور کی ابکائی کو پوری طاقت سے روکا تبسم جان جسم میں جان کتنی تھی۔ بس ایک جھٹکا لگا اور وہ سمہری سے نیچے جا پڑی۔

☆☆☆

وقت کے کھیسے میں سے گھڑی، گھڑی کے سکے ایک کے بعد ایک گرتے گئے۔ کمرے کے باہر زندگی معمول کی طرح جاری و ساری رہی۔

اسے آہوں، بچھنا ہنوں سے اپنے زندہ ہونے کا احساس رہا۔ یہ احساس زخموں پہ نمک چھڑکنے جیسا ہی تھا۔ ہر بار نئے سرے سے جلن اور تکلیف کی سوا اسے ہر ابھرا کر دیتی۔

چہرے کی نیلا ہنوں پہ جب، جب نمکین پانی بہتا، اسے اپنی گندی رنگت والی شکل سے نفرت محسوس ہوتی جسے احمر بھی بڑے شوق سے نمکین کہا کرتا تھا۔

اس نے بھی کسی کی زندگی کو یوں چند منٹوں میں نابود ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اعتبار کے انٹیشن سے نا اطمینانی پر پٹ دینے والی کسی ریل گاڑی کے وجود پر یقین نہیں رکھتی تھی مگر اسے یقین کرنا پڑا جب اس نے مائیک ہاتھ میں پکڑے ایک لڑکی کو تیز تیز بولتے اپنی طرف آتے دیکھا۔

”جی آپ بتائیں گی کتنے عرصے سے کام کر رہی